© rasailojaraid.com

بحث و نظر

بخدمتِ گرامی ------ !

(نعیم صدیقی)

(جادۂ اقامتِ دین کے ہمقدم دیرینہ مولینا وصی مظہر ندوی کے ایک خط کا جواب، جس کا متن درج کرنا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ اوّل تو ندوی صاحب کا طرزِ فکر پہلے سے معلوم ہے، دوسرے میرے جوابات کے پس منظر میں اُن کے گرامی نامے کے مندرجات کی جھلک صاف دکھائی دے سکتی ہے)

محترمی و مکرمی جناب وصی مظہر صاحب! السلام علیکم

آپ کی توجہ فرمائی کے لیے شکریہ! کہ آپ یارانِ کہن کو بھولے نہیں۔ پھر آپ کی اس تحسین کے لیے بھی امتنان جو راقم ناچیز کے لیے پُرزور طریق سے آپ نے فرمائی ہے۔ مگر افسوس ہوا کہ اس ساری تحسین کی آخری نوک آپ کا یہ اظہار رہے کہ دیکھا تم بھی انہی باتوں کے قائل ہو گئے ناں جن کے لیے ہم قافلے سے لوٹ کر بہت دُور آ گئے ہیں[1]

آپ کے گرامی نامے کا جواب دینا جس جماعت کا کام تھا وہ تو موجود نہیں ہے، میں تو ایک فرد ہوں جس کو اپنے اردگرد بکھرے ہوئے متفرق احباب دکھائی دے جاتے ہیں۔ آپ نے اصل میں جو باتیں کہی ہیں، ان کا مرکزی خیال ایسا ہے کہ بحالاتِ موجودہ زیادہ تفصیل و وضاحت سے بحث کرنا مشکل ہے۔ میں

---

[1] یہاں میں اس بات کی تردید کر دینا چاہتا ہوں کہ مجھے میرے پیش رو بزرگوں نے کبھی پیچھے ہٹایا ہو۔ میں از خود آہستہ آہستہ اپنے دائرہ عمل کو اس لیے محدود کرتا رہا ہوں کہ میری صحت زیادہ بوجھ اٹھا سکنے کے قابل نہیں رہی خصوصاً اعصابی نظام لمحاتِ کشمکش میں اپنا پورا حق ادا نہیں کر سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کے سوالات کو ایک طرف رکھ کر آپ کے مرکزی خیال کو توجہ کا ہدف بناتا ہوں اور اس سلسلے میں بس کچھ متفرق نکات عرض کروں گا۔ اور امید رکھوں گا کہ آپ سنجیدگی سے ان پر غور کریں گے۔

۱- آپ نے اگر مجھ پر اپنے نظریات کی تبلیغ کرنا چاہی ہے تو یہ اس لیے بیکار ہے کہ میں کسی جذباتی سیلے میں بہتا ہوا نہیں آ رہا، بلکہ پچھلے چالیس برس میں میں نے ضروری چیزیں مسلسل پڑھی بھی ہیں۔ اپنوں اور غیروں سے بحث و اختلاف کا سلسلہ بھی رہا ہے، نت نئے حالات و واقعات کو ایمانی شعور سے زیر غور لا کر ان میں دین کا راستہ تلاش کرنے کے لیے کاوشیں بھی کی ہیں۔ مخالفین کے مخالفانہ حملوں کو بھی بھگتا ہے اور برسوں کے رابطے توڑ کر کنارہ کر جانے والے مختلف اصحاب کے طرز فکر اور ان کے رنگا رنگ کرداروں کا جائزہ بھی لیا ہے اور ان کی اس حرماں نصیبی کو بھی دیکھا ہے کہ ان میں سے بعض اتنا کام بھی نہ کر سکے جتنا وہ ہم گنہ گاروں کے ساتھ چلتے ہوئے کر رہے تھے، بعض وسیع درجے کے کام سے علیحدہ ہو کر کسی محدود قسم کے کام کو لے کے بیٹھ رہے، بعض نے سرے سے "اقامتِ دین" کا کام ہی چھوڑ کر "اقامتِ ذات" کو اپنا نصب العین بنایا۔ مجھ ایسے آدمی پر جو فکر و شعور رکھتا ہو اور بعض بظاہر معصوم "کنارہ کشوں" کی اصل مجبوری سے واقف ہو، اب آپ یہ آپ تبلیغ کیا کریں گے۔ کہکشاں سے ٹوٹنے والے تاروں کا انجام اس نے دیکھ لیا ہے تو وہ اب کہکشاں سے اور زیادہ ہی چمٹے گا۔

آپ کی ساری تبلیغ کی جان اِس طرزِ عمل نے نکال دی ہے کہ آپ ہم سے کنارہ کرنے والوں کو اپنی نگاہِ مقدس سے جس طرح بے عیب دیکھتے ہیں اور ان کی کمزوریاں بلکہ بعض یاوگیاں آپ کو ذرا نہیں کھٹکتیں، نہ دوسرے مذہبی گروہوں کے ژولیدہ احوال پر آپ کو کوئی احساس ہوتا ہے، لے دے کے ہم گنہ گار ہی رہ گئے ہیں جنہیں بہت سے اصحاب نے پہلے درونِ خانہ رہ کر رگید ا[1]، اور اب بیرونِ خانہ سے بھی عنایات کا سلسلہ جاری رہنا ہے۔

[1] میں خود ذاتی طور پر بعض اکابر کے مزکیانہ تجربوں کا تختۂ مشق بنا ہوں، اور اب کیا بتاؤں کہ کس درجے کے حضرات کو خاص خاص موقعوں پر شائستگی کے ادنیٰ معیارات سے بھی گرا ہوا پایا۔ مگر سب کچھ ایک مقصدِ اعلیٰ کے لیے صبر سے بھگتا اور یہی خیال کیا کہ شاید یہ سب سعیٔ اقامتِ دین کے تقاضے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲ — تبلیغ کے بجائے صحیح صورت افہام و تفہیم کی ہوتی، مگر افہام و تفہیم تو زیادہ تر برابر کے لوگوں میں ہوتی ہے۔ یہاں تو حال یہ ہے کہ اہلِ تقویٰ، سرگشتگانِ کوچۂ حق کے لیے "مصیطر" بنے ہوئے ہیں۔

اتفاق یہ ہے کہ آپ کا گرامی نامہ مجھے عین اس وقت ملا جبکہ میں نے مولینا منظور نعمانی کی کتاب[1] ——— ایک ہی دن پہلے منگا کر پڑھنا شروع کی تھی۔ اور کچھ عرصہ پہلے علی میاں کی وہ تنقیدِ مخالفانہ بھی پڑھ چکا ہوں جو "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحوں" کے خلاف لکھی گئی ہے۔ مجھے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ ہر طرف کچھ حضرات ہماری غلطیاں پکڑنے میں اس طرح لگے ہیں جیسے ماہی گیر مچھلیاں پکڑتے ہیں، مدعا یہ کہ یا تو غلطیوں کو مانو اور ہمارے سامنے سر خم کر دو، یا نہ مانو تو ہم اہلِ تقویٰ تمہارے خلاف لوگوں کے دلوں کو شکوک و شبہات سے بھر دیں گے۔ ایسی نا برابری میں، جبکہ ایک جانب "تعصبِ تقویٰ" کام کر رہا ہو، یا "تقویٰ پرستی" کا مظاہرہ ہو تو افہام و تفہیم کی فضا کہاں رہی۔

۳ — ترجمان القرآن میں اپریل تا جون کے اشارات میں جو باتیں میں نے لکھی ہیں، خوب سوچ سمجھ کر لکھی ہیں، اور اس ساری گفتگو کی نوعیت یہ ہے کہ اپنے جاننے والے احباب سے میرا تکلم برادرانہ ہے۔ گویا میں گھر میں بیٹھ کر اپنے خاندان سے باتیں کر رہا ہوں۔ فرق صرف یہ ہے کہ میری باتیں سرگوشی کے طور پر نہیں بلکہ ذرا بلند آہنگی (LOUD THINKING) سے کام لیا گیا ہے۔ اس واشگاف گوئی سے میرا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ خاندان کے باہر کے لوگ بھی جان لیں کہ یہ لوگ زندہ ہیں، جمود زدہ نہیں۔ وہ یگانگت کی ایک ایسی مشینری پر اعتماد رکھتے ہیں جو اپنی درستی خود کرنے والی (SELF REPAIRING) ہو۔ میں اور میرے دوست باہمدگر مشورے بھی کرتے ہیں۔ آپس میں تنقید بھی کرتے ہیں، احتساب بھی کرتے ہیں، غلطیوں پر بھی نظر ڈالتے ہیں، ان کا اعتراف بھی کرتے ہیں، پھر اصلاح بھی کرتے ہیں۔ ہمیں بسا اوقات آپس میں ایک دوسرے کو تلقین بھی کرنی ہوتی ہے۔ یہ کام بالعموم چپکے سے ہوتے رہتے ہیں۔ مگر یہ بھی ضروری ہے کہ کبھی کبھار یہ بلند آہنگی سے بھی ہوں، تاکہ بیرونی عناصر کو معلوم ہو جائے کہ یہ ایسے خادمانِ دین ہیں جو پیری مریدی کے طرز پر کام نہیں کرتے بلکہ ضمیر کے مطابق سوالات اور اعتراضات اٹھاتے اور ان کے جواب طے کرتے ہوئے سرگرمِ عمل ہیں۔

یہ طریقہ فی الحقیقت قرآن ہی کا پیش کردہ ہے جس نے سخت نازک حالات اور طرح طرح کے مخالفین میں گھرے ہوئے مسلمانوں پر غزوہ بدر و احد اور دوسرے غزوات اور خاص خاص واقعات و حوادث

[1] عنوان ہے: "مولینا مودودی کے ساتھ میری رفاقت اور اس کی سرگذشت اور اب میرا موقف۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بعد بڑی سخت تنقیدیں کی ہیں، اور اس کی پروا نہیں کی گئی ہے کہ دشمن قومیں کیا کہیں گی اور کیا فائدہ اُٹھائیں گی۔ بلکہ قرآن نے تو غالباً خود مخالفین پر بھی یہ واضح کرنا چاہا ہے کہ ہمارے قوانین اور دین کے تقاضے ایسے بے لاگ ہیں کہ اگر خود اہلِ ایمان بھی اُن کی خلاف ورزی کریں گے تو ہم ٹوکیں گے اور یہ عمل بجائے خود اسلام کی تبلیغ کا ذریعہ بنا۔

اور یہ طریقہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا بھی تھا۔ اُن کی تقاریر اور ہدایات اور اشارات میں بسا اوقات "اپنوں" پر سخت گرفت کی گئی ہے۔

یہی جذبہ میرے اندر کام کر رہا ہے۔

۴ — پیچیدگی یہ ہوئی کہ آپ نے اہلِ خاندان کی گفتگو گلی سے گزرتے ہوئے سُنی۔ اتنے پر اکتفا کر لیتے تو مناسب تھا۔ آپ باہر ہی سے بول پڑے اور گفتگو میں حصہ لینا چاہا۔ اور دعویٰ کر دیا کہ دیکھا تم نے بھی فوری کچھ مان لیا جو ہم کہتے تھے۔ مَیں دروںِ خانہ کے "اپنوں" سے بات کر رہا تھا اس لیے میرا انداز کتنا بھی سخت ہوتا (اور وہ سخت نہیں ہے) اس کی نوعیت دوسری تھی۔ اور آپ اگر اپنی طرف متوجہ کریں تو پھر انداز مختلف ہونا چاہیے۔ اندریں صورت مَیں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ نے مداخلت کر کے میرے مقصد کو نقصان پہنچایا ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات میری گفتگو کو اب غلط معنی میں لیں۔ بنا بریں لازم ہو گیا ہے کہ آپ سے کچھ گذارشات کروں۔

مَیں آپ کے نوٹس میں یہ ضروری بات لانا چاہتا ہوں کہ آپ میں اور مجھ میں بہت فرق ہے۔ مَیں اس فرق کو واضح کرتا ہوں۔

اوّل یہ کہ میں اپنے جس حلقۂ احباب کے ساتھ چل رہا ہوں اس کے ساتھ پورا پورا حسنِ ظن رکھتا ہوں۔ یہ عنصر بعض کمزوریوں یا وقتی غلطیوں کے باوجود معاشرے کا بہترین عنصر ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے پیشرو آدمی سے لے کر پس رَو آدمی تک بہ حیثیت مجموعی صاف نیّت لوگ ہیں اور سب کے سب دین کے غلبہ و استحکام کے تمنائی ہیں۔ انہوں نے نصب العین کبھی تبدیل نہیں کیا، اُس کے لیے تدابیر تبدیل ہوتی رہی ہیں اور مختلف اقدامات کا تجربہ کیا جاتا رہا ہے۔ اِن تدابیر اور تجربات میں غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں، مگر کسی کا اصل منشا غلطیاں کرنا نہیں، بلکہ دین کے مطلوب کو حاصل کرنا ہے۔ آپ کے اندر یہ حسنِ ظن باقی نہیں، آپ ان لوگوں کو فسادِ نیّت اور ترکِ مقصد کا الزام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ میں جو کچھ سوچتا ہوں دین سے محبت رکھنے والے دوستوں کی بھلائی کے لیے سوچتا ہوں، میں اُن کے درمیان رہنا اور اُن کے سامنے چلنا چاہتا ہوں۔ میرا کوئی ارادہ نہیں کہ اُن کی زجر و توبیخ کر کے اُن سے بھاگ جاؤں، یا پانچ پیچھے پڑھا کہ کہوں کہ میری بات مانو ورنہ میں چلا۔ جناب پر یہ بات واضح رہے کہ ایسے اصلاح پسندوں کی ایک ٹولی بالکل شروع میں، اور ایک ٹولی پاکستان میں عین حالت معرکہ میں کنارہ کش ہو گئی تھی، مگر زجر و توبیخ کر کے ان "واک آؤٹ" کرنے والوں کے غلط طرزِ عمل سے کسی طرح کا حصولِ خیر نہ ہو سکا۔ دوسروں کی اصلاح تو وہ کیا کرتے، انقطاع کے بعد وہ خود بھی لوٹ کر اپنے سابق مشاغل کی طرف چلے گئے۔ اور اقامتِ دین کی جدوجہد تمدنی و اجتماعی دائرے میں زیادہ بہتر طریقے سے تو کجا، کسی کم تر طریقے سے بھی نہ کر سکے۔ میرا طریقہ زجر و توبیخ کا طریقہ نہیں ہے جس کے آگے پھر "واک آؤٹ" ہی کا مرحلہ باقی رہ جاتا ہے۔[1] میں اپنے بھائیوں سے پہلے بھی اختلاف کرتا رہا ہوں، اب بھی کر لیتا ہوں اور آئندہ بھی یہ سلسلہ تو رہے گا۔ میں اُن پر تنقید بھی کرتا ہوں اور وہ مجھ پر کر لیتے ہیں، مگر یہ سب کچھ یگانگت سے ہوتا ہے اور "اختلاف اُمتی رحمۃ" کے مطابق۔ اختلاف سے افتراق پیدا نہیں ہوتا۔

تیسرے یہ کہ میرا اور آپ کا (اور کنارہ کش ہونے والے دوسرے اربابِ علم و تقویٰ کا) ایک فرق یہ ہے کہ میں جن سے باتیں کر رہا ہوں، اُن میں سے ایک ہوں، اُن جیسا ہوں، اُن سے افضل نہیں ہوں اور ان پر ایمان و تقویٰ کی برتری کا مجھے ذرا بھی زعم نہیں ہے۔ میں اُن کے سامنے اُستاد یا مرشد بن کر نہیں جاتا — دوست بن کر جاتا ہوں، انہوں نے تاریخ کے مراحل سے گذرتے ہوئے زخم کھائے ہیں اور مجھے بھی معرکوں

---

[1] ہونے سانے کام کو نقصان پہنچانے، اور پھر خود بہتر کام کر کے نہ دکھانے کی وجہ سے بیشتر حضرات میں ایک چھپا ہوا احساسِ ندامت موجود ہے جسے وہ غیر شعوری ذہن سے آگے آنے نہیں دیتے، مگر اس کا دباؤ برسوں سے اُن کو بحث در بحث کے چکر میں ڈالے ہوئے ہے، وہ برابر غلطیاں پکڑنے میں مصروف ہیں اور کہیں جا کر نہ اُن کا اظہارِ اختلاف مکمل ہوتا ہے اور نہ مخفی جذبات کی تسکین ہوتی ہے۔ اُلٹا وہ خود غلطیوں پہ غلطیاں کرتے چلے جا رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں چوٹیں لگی ہیں۔ وہ بھی کئی بار گر کر اٹھے ہیں اور میں بھی اپنی تگ و تاز میں پچھڑ پچھڑ کر آگے بڑھا ہوں۔ اگر میرے بھائیوں کے تلووں میں آبلے ہیں تو میرے بھی ٹخنے چھلے ہوئے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے محرم اور محب ہیں۔ اُن کے زخم میرے زخم، اور میرا درد اُن کا درد ہے۔ ہماری کمزوریاں اور غلطیاں آپس میں مربوط ہیں اور اُن کا ازالہ بھی واعظانہ انداز سے نہیں کیا جاسکتا، مل جل کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ ہم ایک دوسرے کی چارہ گری کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

ہم ایک دوسرے کے زخموں پر فتوے نہیں لگا سکتے، ایک دوسرے کی چوٹوں کا مذاق نہیں اُڑا سکتے ہمارا فلسفہ یہ نہیں کہ جس نے شیطانی قوتوں سے لڑتے ہوئے اُن کے ہاتھوں کوئی زخم کھایا ہو یا لڑائی میں کوئی غلطی کردی ہو وہ قابلِ ملامت آدمی ہے۔ قابلِ ملامت آدمی وہ ہے جو زخم آنے یا غلطی صادر ہونے کے ڈر سے سرے سے "ترکِ ستیز" کردے۔ آپ حضرات کا راستہ یہیں سے ہم سے الگ ہو جاتا ہے۔ کہ چونکہ اقامتِ دین کی سعی میں لغزشیں بھی ہو جاتی ہیں اور چوٹیں بھی کھانی پڑتی ہیں، اور کبھی کوئی غلط بات بھی صادر ہو جاتی ہے، لہٰذا اس تحریکی سعی ہی کو چھوڑ کر انفرادیت کی کُٹیا میں اللہ اللہ کرنا چاہیے جہاں آدمی ہر قسم کی گرد اور آلائش سے پاک ہو کر بیٹھ سکتا ہے۔

فی الوقت یہی دو تین اشارات مکتفی ہوں گے۔ اُمید ہے کہ اس سے وہ عظیم فرق واضح ہو جائے گا جو ایک ہی طرح کی بات آپ سے اور مجھ سے صادر ہوتے ہیں موجود ہے۔

۵ ــــ غیر سیاسی دینداری اور تقویٰ جس کا فرنوں سے دَور دورہ رہا ہے، اس کے لیے پہلے تو دین و سیاست کی وحدت کا نظریہ قابلِ ہضم نہ تھا، اور اس پر بڑے اعتراضات تھے۔ اسی سلسلے میں تحریک اور نظام اور انقلاب کی اصطلاحات شروع میں دینی طبقے کو غیر دینی محسوس ہوتی تھیں۔ دین و سیاست کی وحدت کا اصول تسلیم ہونے کے معنی اوّل روز ہی یہ تھے کہ حکومتوں کے بننے اور ٹوٹنے اور قوانین کی تدوین اور نفاذ اور بجٹ اور مالیات کے مسائل سے اہل دین کو دلچسپی لینی ہو گی۔ دلچسپی بھی اسی حد تک نہیں کہ حلال و حرام بتا دیا۔ اور حالات کو اپنی رفتار پہ چلنے دیا، بلکہ حالات کی رَو کو متاثر کر کے اُسے صحیح سمت موڑنے کی کوشش کرنا لازم ٹھیرا۔ بات یہاں تک آجائے تو پھر بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ انتخابات سے علیحدہ رہ کر پورا کام کرنا ممکن نہیں ہے۔ آپ پاکستان کو اپنی جگہ رہنے دیں، مصر میں اور ترکیہ میں اور انڈونیشیا اور دوسرے ممالک میں دیکھیں کہ انتخابی عمل کی کیا اہمیت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دین کا غلبہ چاہنے والوں کا اس عمل سے مقاطعہ جاری رکھنا ممکن نہیں ہے۔

آپ کو اعتراضات دو ہیں۔ ایک یہ کہ اس کوشش میں ناکامی ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ اس میں اہل دین کے لیے آلائشیں ہیں۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر سادہ دعوتِ دین بشکل وعظ گوئی پیش کرتے ہوئے ناکامی یا کم کامیابی پیش آئے تو کیا اس دلیل سے کام کو ترک کر دینا چاہیے کہ کامیابی نہیں ہوتی یا جلد نہیں ہوتی یا کافی نہیں ہوتی۔ اگر یہ درست ہوتا تو حضرت نوح علیہ السلام سال دو سال نہ سہی، تیس چالیس سال میں دعوتِ حق (جو ابھی ابتدائی مرحلے میں تھی) کا سلسلہ ترک کر دیتے۔ اصل سوال یہ ہے کہ دین کے غلبے کے لیے ایک کام کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ اگر ضروری ہے تو معیار ظاہری کامیابی و ناکامی نہیں ہے۔ سامنے ہی میں یہ کہتا ہوں کہ ان اثرات کو نہ بھولیے جو پاکستان کے دستور، اس کے قوانین اور پالیسیوں پر مسلسل پڑتے آ رہے ہیں۔ غلام محمد اور سکندر مرزا کا دور ہو یا ایوب صاحب کا، پیپلز پارٹی کا زمانہ ہو یا موجودہ مارشل لا کا، ہر دور میں دینی تقاضوں کی راہ پر حکومتی پہلو سے پیش قدمی ہوتی ہے۔ اس کا سبب وہ کام ہے جو تحریکِ دستورِ اسلامی سے لے کر انتخاباتِ ۱۹۷۷ء تک کیا جاتا رہا ہے۔ اس سرے پر قرار دادِ مقاصد کا پاس ہونا، بیچ میں قادیانیوں کا اقلیت قرار پانا۔ اور اب بعض شرعی قوانین کے اجراء کے ساتھ زکوٰۃ کے نظم کا نفاذ آنکھوں سے دیکھے جانے والے شواہد ہیں کہ یہاں کوئی کام کیا گیا ہے جس کے اثرات رائے عام کی فضا میں موجود ہیں اور جس کی وجہ سے بڑے سے بڑا انحراف پسند بھی مخالفِ اسلام راستے پر نہیں بڑھ سکا۔ یہ سارا کام اس اثر اندازی کے نتیجے میں ہوا ہے جو انتخاب میں شرکت کر کے، اور فتح پا کر بھی، اور شکستیں کھا کر بھی دینی تحریک پیدا کر سکی ہے۔ سو یہ دنیا جس میں انتخابات بہر حال ہو رہے ہیں، اس میں آپ حکومت سازی کے اس طریق سے انقطاع نہیں کر سکتے۔

پھر ان ناکامیوں کا بھی بس ایک ہی سبب نہیں کہ عوام کو تیار نہیں کیا گیا —— اگرچہ اس پہلو سے کمی رہ جانے کے اثرات بھی بہت ہونے ہیں —— بہت بڑا سبب یہ ہے کہ عالمی سطح پر ملحد، سیکولر، مادہ پرست اور اسلام دشمن قوتوں کا ایک گٹھ جوڑ کام کر رہا ہے جو اسلامی تحریکوں کے خلاف عالمی ذرائع ابلاغ، پریس، علمی لٹریچر، ادبی کتب، رسائل و جرائد، اشتہارات، تصاویر، سازشوں، جارحیتوں اور قتل مقاتلے کے ذرائع سے کام کر رہا ہے۔ اس کا ایک ہدف یہ ہے کہ کسی ملک میں اسلامی عنصر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو اُبھرنے نہ دیا جائے ۔ اس کے لیے پیسہ بھی خرچ کیا جاتا ہے، خفیہ چالیں بھی چلی جاتی ہیں، لوگوں کو آلۂ کار بھی بنایا جاتا ہے اور سیکنڈل بھی گھڑے جاتے ہیں ۔ باہر والے یہ تک طے کر لیتے ہیں کہ فلاں پارٹی کو برسرِ اقتدار لانا ہے اور فلاں اشخاص کو صدر اور وزیرِ اعظم بنوانا ہے، پھر ان کے متبادل افراد بھی نشان زدہ کر لیے جاتے ہیں ۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ بنگلہ دیش بننے سے پہلے کے انتخابات میں وہاں کی مضبوط ہندو اقلیت، سیکولرازم کے قائلین، عیسائی، اباحیت پسند مسلمان سب ایک قطار میں جمع ہو گئے اور ان کا منفی ہدف یہ تھا کہ کسی دینی شخصیت کو اُبھرنے نہ دیا جائے۔ چنانچہ مجیب صاحب کی عوامی پارٹی بھرپور طور پر برسرِ اقتدار آ گئی اور غلام اعظم صاحب کا گروپ ملک بھر میں دوسری پوزیشن پر رہا ۔ یعنی مقابل کا گٹھ جوڑ اگر اُس طرح نہ ہوتا تو نتائج مختلف ہوتے۔ یہی صورت ہمیں پاکستان میں پیش آئی ہے ۔ متذکرہ قوتیں جن میں کمیونسٹ اور قادیانی شامل ہوتے ہیں ایک محاذ بنا لیتی ہیں کہ دین کے علمبردار لوگ نہ آئیں بلکہ اُن کے مقابل میں "لادین مسلمان" نہیں تو کم از کم کمزور مسلمان کامیاب ہوں ۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ پھر تو کبھی کامیابی ممکن نہیں ۔ جی درست، مگر انتہائی بزدلی ہوگی ۔ اگر محض اس بنا پر میدانِ مقابلہ کو چھوڑ دیا جائے کہ مخالفِ اسلام عالمی قوتیں مزاحم ہیں ۔ ہیلو، لا کو چیلنج کرنا چاہیے ۔ تا آنکہ وہ وقت آ جائے کہ اُن کے باندھے ہوئے بند میں شگاف پڑ جائیں ۔

اہلِ ہوس کی فتح ہے ترکِ نبردِ عشق
جو پاؤں اُٹھ گئے وہی اُن کے علم ہوئے

جنابِ محترم! جب تک دین برحق کے محاذ پہ ایک بھی سپاہی طاغوتی قوتوں کو چیلنج کرنے کے لیے موجود ہے ۔ اس وقت تک شکست کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ جس دن معرکہ آرائی کے میدان میں کوئی علمبردارِ اسلام نہ رہا ۔ اُس دن چاہے انفرادیت کی خانقاہ کتنی ہی آباد ہو، تمدنی قوت کے لحاظ سے ملت شکست خوردہ ہوگی ۔

ہماری کوشش یہ ہے کہ یہ نبرد جاری رہے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق ہم دو کو تین سے اور تین کو چار سے لڑانے کے لیے اُٹھے ہیں ۔ مگر لڑائی حق کی لڑائی ہے ۔

۶ ۔ اب لیجیے انتخابات میں دینی کوتاہیوں یا اخلاقی لغزشوں کا معاملہ!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم لوگ سیاست کے بالکل نئے دائرۂ کار میں کام کرنے نکلے ہیں جہاں قریبی دور کے اہلِ تقویٰ نے بہت کم نقوش چھوڑے ہیں۔ خصوصاً انتخابات کا میدان تو ایسا ہے جس میں خالص دینی جذبے سے کوئی معرکہ لڑا ہی نہیں گیا۔ یہ میدان جس میں غلط قوتوں نے عرصۂ دراز سے گندگی پھیلا رکھی ہے، اس میں اگر ہم آویزش کے لیے نکلتے ہیں تو کچھ عجب نہیں کہ آلائشوں سے ہمیں سابقہ پیش آئے مصیبت محض آلائشوں کا ہونا نہیں، بلکہ مصیبت تو یہ ہوگی کہ دینی لوگ آلائشوں کو آلائشیں نہ سمجھیں بلکہ ان زینت سمجھیں۔ پھر آپس میں وہ لوگ ایک دوسرے کو توجہ دلانے والے بھی نہ ہوں کہ کبھی کچھ آلائشیں ہمارے دامن و آستین پر لگ گئی ہیں، آؤ انہیں صاف کرلیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی ہمارے ہاں آلائشوں کو آلائشیں سمجھا اور محسوس کیا جاتا ہے اور محسوس کرایا جاتا ہے اور لوگ اُن سے نجات پانے کی فکر کرتے ہیں۔

لیکن وہ صاحبِ تقویٰ جو محض اس بنا پر سیاسی و انتخابی آویزشوں سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے کہ یہاں آلائشوں کا بھی خطرہ ہے، اُس کا بے آلائش رہنا اُسے اُخروی بازپرس سے نہ بچا سکے گا — ٹھیک ہے یہاں کیچڑ پھیلی ہوئی ہے، ٹھیک ہے یہاں گوبر ہے۔ ٹھیک ہے یہاں سڑا ہوا پانی ہے، مگر میدان کارزار یہی ہے۔ معرکہ بھی لڑیئے اور اسے صاف کرنے کی سعی بھی کیجیے اور اپنے آپ کو ہر بار پاکیزگی کے معیار پر بھی لائیے۔[1]

یہ سوچنا کہ کوئی ایسا غیر انتخابی یا انتخابی نظام بن جائے جس میں چند خواص کو ووٹر بننے کا حق ہو، میرے نزدیک ایک بیکار خیال آرائی ہے۔ آخر کسی ملک کی اکثریت (جس میں غیر مسلم بھی ہوں اور بگڑے ہوئے یا غافل مسلمان بھی) یہ قربانی کیوں دے کہ وہ ایک اقلیتی گروہ کو سارا اقتدار سونپ کر خود ہر قسم کی سیاسی دخل اندازی سے کنارہ کش ہو جائے، بالکل غیر ممکن بات ہے۔ کسی جبری یا جذباتی کیفیت میں قلیل مدت کے لیے ایسا ہو سکتا ہے، مگر یہ کوئی مستقل راہِ عمل نہیں ہے۔ جو اصحاب یہ سمجھتے ہیں

[1] کچھ تازہ تجربات آپ کو "ممبر" بننے کے بعد بھی ہوئے ہوں گے۔ سوچنے کا ایک پہلو یہی نہیں کہ آپ کی قبا پر چھینٹے کیسے کیسے پڑتے ہیں۔ توجہ طلب تلخ حقیقت یہ ہے کہ برائی کس زور سے اُمڈ رہی ہے اور کیا جرأتیں دکھا رہی ہے، کیونکہ اسے روشنی و نیکی کی کسی قوت نے پہلے چیلنج نہیں کیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ وہ اکثریت کے اندر رضا کارانہ جذبات پیدا کر سکے اس قربانی کے لیے آمادہ کر لیں گے، اُن سے عرض ہے کہ پھر وہ اسلام کے مبادیاتی تقاضوں ہی کے لیے ان میں رضا کارانہ جذبات پیدا کر دیں، باقی مراحل درست ہو جائیں گے۔

یہ درست کہ کسی بگڑے ہوئے معاشرے میں رائے دہی بالغان کا طریقہ آسانی سے مطلوبہ نتیجہ نہیں دے سکتا، خصوصاً جب کہ اندر اور باہر کی قوتیں اس میں طرح طرح سے خلل اندازی کرتی رہتی ہوں مگر مجبوری یہ ہے کہ سوائے اس کے سیاسی عمل کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

البتہ یہ الگ بات ہے کہ اسلامی انقلاب کا تکمیلی ظہور ضروری نہیں کہ انتخابات ہی کے ذریعے ہو۔ اور بھی راستے ہیں جن سے انقلابات ظہور پاتے ہیں اور پیشتر سے کوئی نہیں جانتا کہ کس ملک میں کب کیا ہوگا۔ اصل چیز یہ مطلوب ہے کہ سیاسی عمل جاری رہے، اس میں اہلِ دین اثر انداز ہوں اور یہی اثر اندازی بڑھتے بڑھتے آخری مرحلے میں اپنے نتائج دکھائے۔

۷ ــ انتخابات محض قومی انتخابات ہی نہیں ہوتے، یونیورسٹیوں میں، مزدوروں میں مختلف پیشوں کے کارکنوں میں یونین ازم موجود ہوتا ہے۔ اور ان کے لیے بھی انتخابات ہوتے رہتے ہیں۔ یعنی انتخابی عمل ہر شعبۂ زندگی میں پھیلا ہوا ہے۔ ان سارے شعبوں میں شرکت ضروری ہے۔ مثال کے طور پر اگر پاکستان کے اسلام پسند طلبہ منظم نہ ہوئے ہوتے اور انہوں نے سُرخ عناصر کو انتخابی میدان میں کبھی چیلنج نہ کیا ہوتا تو آج ہر طرف کمیونسٹوں کا غلبہ ہوتا جس کے محض تسلط ہی سے آپ کی آئندہ نسلوں کا رُخ بدل جاتا۔ آج آپ اسلامی جمعیت طلبہ میں کتنی ہی کوتاہیاں تلاش کر دکھائیں، اسی کے دم سے آپ کی تعلیم گاہوں میں اسلامی رجحانات کے لیے مواقع موجود ہیں۔

ایک دور وہ تھا کہ معاشرے میں صرف حکومت کا ادارہ منظم ہوتا تھا، اب نئے سے نئے منظم ادارات وجود میں آگئے ہیں۔ اور ہر ادارہ اپنی انفرادی وسعت اور تنظیمی قوت کے لحاظ سے سیاست و معیشت میں مؤثر پارٹ ادا کرتا ہے۔ یہ ادارے سیاسی ہوں یا غیر سیاسی، مطالبے اُٹھاتے ہیں۔ ریزولیوشن پاس کرتے ہیں، جلسے کرتے ہیں، پریس کانفرنسیں بلاتے ہیں، جلوس نکالتے ہیں، مظاہرے کراتے ہیں، ہڑتالیں اور بھوک ہڑتالیں کراتے ہیں، اور ان مختلف تدبیروں سے حکومت یا سرمایہ دار طبقے یا سیاسی جماعتوں پہ دباؤ ڈالتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا آپ جدید دَور کے تمام منظمات سے قطع نظر کر لیں گے، ان کے اندر کام کرنے کی راہیں نہیں نکالیں گے؟ اُن کے اندرونی انتخابات سے دلچسپی نہیں لیں گے اور اُن کے پروگراموں اور منصوبوں کو غلط رُخ سے ہٹانے کی مساعی نہیں کریں گے؟

جی ہاں، معروف دینداری اور علماء کے ٹکسالی تقوٰی کو معاشرے کے سمندر کی ان ساری موجوں اور رَوؤں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ جدھر سے چاہیں اُٹھیں اور جس طرف چاہیں چل جائیں، اور جس شے کو چاہیں لپیٹ میں لے لیں۔ سکّہ بند دینی رسائل میں غلط بنیادوں پہ قائم ہو کر معاشرے کو بگاڑنے والے منظمات پر اس نقطۂ نظر سے کبھی کوئی بحث میں نے نہیں دیکھی کہ اگر ہم غلط منظمات پر قابو نہیں پا سکتے تو صحیح تر منظمات کو وجود میں لایا جائے جو ایک جوابی طوفان کی حیثیت سے تخریبی طوفان کو روک دیں۔ جی نہیں، بھلا یہ مسائل و معاملات دینی بحثوں کا موضوع کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہ تو دُنیا داری کی باتیں ہیں اور باطل کے مشغلے!

مگر خوب سمجھ لیجیے کہ موجودہ دُنیا میں مختلف نوع کے خفیہ اور ظاہری ادارے اور منظمات نہ صرف قوموں کی حد تک بلکہ بین الاقوامی سطح پر موجود ہیں اور اُن سے مسلمانوں کا بے تعلق رہنا ممکن نہیں رہا ہے۔

آپ ایک انتخابی قضیے پر اُلجھے بیٹھے ہیں، آج کے معاشروں میں تو اور بہت کچھ محاذ آرائیاں ہو چکی ہیں اُن سے تعرض کیجیے تو طرح طرح کی اُلجھنیں پیش آتی ہیں اور جگہ جگہ آلودگیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ پھر کیا منشا یہی ہو گا کہ ان سارے جھگڑوں ٹنٹوں کو چھوڑ کر مدارس کے مصلّوں، مساجد کے منبروں اور مکتبوں کے مونڈھوں پر بیٹھ کر دین کی خدمت کی جائے اور کچھ تبلیغی دَورے کر لیے جائیں۔

مَیں یہ نہیں کہتا کہ نئے دَور کی اجتماعیت کے پیچیدہ دائروں میں کام کرتے ہوئے ضرور غلطیاں کی جائیں؛ مَیں یہ کہتا ہوں کہ یہ میدان ہائے کار ایسے صعب و دشوار ہیں، نیز ان کے متعلق اہل تقوٰی کے پہلے سے تجربات موجود نہیں ہیں، اس وجہ سے جو نئے لوگ کام کرنے اُترتے ہیں وہ بار بار لغزشیں کھاتے ہیں۔ آپ اگر اجتماعیت کے جدید پیچیدہ دائروں میں لغزشوں کے بغیر کام کرنے کا کوئی مشاہدہ کرا دیں تو سب سے پہلے مَیں آپ کا قدر دان ہوں گا اور یہ سمجھوں گا کہ اجتماعیت کے جنگل میں سے ان بزرگ نے خدمت اسلام کا ایک اہم راستہ نکالا۔ تاریخ پہ یہ بڑا احسان ہو گا۔

۸ — اُوپر کے اشارہ نمبر میں جو گفتگو ہوئی ہے اسے ذرا سا اور آگے بڑھائیں تو بے حد تشویشناک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صورتِ حالات سامنے آتی ہے۔

ہمارے اس دَور میں انسانی تمدن و معاشرے کے ڈھانچے کو بعض نئے احوال نے اس درجہ مسخ کر دیا ہے کہ اس ڈھانچے میں کام کرنے والوں کے لیے آئندہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گا کہ ایک خاص قسم کے حالات میں کیا حق ہے اور کیا باطل، تقویٰ کی راہ کدھر سے جا رہی ہے اور فتنہ کی کدھر۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

ہڑتال اس دَور میں ایک نئی شکل اختیار کر چکی ہے۔ بسا اوقات ہڑتالیں اتنی وسیع الاثر اور طویل ہوتی ہیں کہ حکومتیں معطل ہو جاتی ہیں، وزارتیں جھک جاتی ہیں اور نئے دستوری و قانونی فیصلے کرنے یا پالیسیوں کو بدلنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہڑتال جائز ہے؟ آپ کی نظر میں ناجائز اگر ہے تو وہ تو مسلمانوں کے لیے ہو سکے گی، لیکن اگر ہڑتال کو اسلامی مساعی ہی کو دبانے کے لیے استعمال کیا جائے تو کیا فتویٰ ہو گا؟ ہڑتال کرنے والوں کا حکم کیا ہے اور ہڑتال کے آگے جھکنے والی حکومت یا سرمایہ دار قوت یا کسی سیاسی پارٹی پر کیا حکم لگے گا؟ کیا ہڑتال کی قوت کو مسلمان بھی غیر اسلامی رجحانات و اقدار کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو پھر اس کے کچھ تفصیلی متعلقات بھی ہیں۔ ہڑتال کے لیے ہجومی قوت کا لزوم، اس میں نعرہ بازی، ہڑتال کو ناکام بنانے والوں کے متعلق رویہ وغیرہ۔

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ نہ تو ہماری فقہ میں ہڑتال کا کوئی باب ہے، نہ اس سلسلے میں نئے دَور کے عالموں نے کوئی فتاویٰ جاری کیے ہیں، نہ اربابِ اقتدار ایسے کسی ہنگامے سے موافقانہ یا مخالفانہ تعلق رکھتے ہوئے آسانی سے ہر جزئی اُلجھن میں حکم لگا سکتے ہیں کہ تقویٰ کا وزن کس طرف جانا چاہیے یا کس طریق پر چلنے سے تقویٰ بڑھے گا!

اسی طرح اس دَور میں ایک ناپسندیدہ کردار چھاپہ ماروں کا ہے۔ بلیک ستمبر اور بلیک دسمبر جیسی تحریکوں کے مامور کردہ افراد کسی ممتاز شخصیت یا طیارے پر جب قبضہ کر لیتے ہیں تو جب تک وہ ناکامی سے دوچار نہ ہو جائیں متعلقہ حکومت کا حاکمانہ اقتدار اور مُلکی دستور سب کچھ دو تین افراد کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے مطالبات منواتے ہیں کہ فلاں مجرموں کو رہا کر دیا جائے، اتنی رقم فراہم کی جائے، فلاں مقام تک پہنچنے کے لیے ٹرانسپورٹ کا انتظام کیا جائے، اور یہ چھاپہ مار بھی ایک خاص صورتِ حالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے پیدا کردہ ہیں۔ مثال کے طور پر اہلِ فلسطین کو لیجیے جنہیں اُن کے وطن سے سب کچھ چھین کر نکال دیا گیا اور جو رہ گئے ہیں وہ انسانی حقوق سے محروم ہیں اور جو جیلوں میں جاتے ہیں وہ خوفناک اذیتیں بھگتتے ہیں۔ ان حالات سے کوئی راہ نجات نہیں۔ بے بسی کی اس کیفیت نے چھاپہ مار تحریکوں کو ظہور دیا اور انہوں نے دباؤ ڈالنے کے نئے طریقے نکالے۔ اپنے لوگوں کو ناروا ظلم کے چکر سے نکالنے کے لیے بے بس لوگوں نے یہ راستہ ڈھونڈا۔ دوسری جگہ پر بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

اب جزو بہ جزو اس معاملے میں حکم لگا کر دیکھیے کہ کیا چیز کہاں تک جائز اور کیا صورت کہاں تک ناجائز ہے۔ میرا کہنا صرف یہ ہے کہ مختلف سوچنے والوں کی رائیں ایسے مسائل میں مختلف ہوں گی۔

اب آپ ذرا ترکی کے حالات پر نظر ڈالیں۔ وہاں کے کمیونسٹ جن کی بھرتی زیادہ تر مسلمانوں کے ایک اقلیتی گروہ سے ہو رہی ہے، روس کی پشت پناہی سے ترکی میں اسلامی تحریک کو ناکام بنانے کے لیے دائیں بازو کی مؤثر شخصیتوں کو قتل کرنے کی مہم چلا رہے ہیں۔ اب ایک شکل یہ ہے کہ دوسری جانب کے اکثریتی مسلمان جواباً کچھ نہ کریں۔ دوسری شکل یہ ہے کہ وہ قتل کے ذریعے مخالفِ اسلام سیاسی انقلاب انگیزی کی اس کوشش کو ناکام بنانے کے لیے مخالف محاذ کی جڑیں بھی کاٹیں۔ میں نہیں کہتا کہ وہ طریقہ درست ہے یا صحیح۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ ان پیچیدہ حالات میں حکم لگانا آسان نہیں۔ زیادہ بہتر طور پر وہی لوگ سوچ سمجھ سکتے ہیں جو ایک صورتِ حالات سے عملاً دوچار ہیں۔

ایک تجربہ شام میں اخوان کا ہے۔ شام کی مسلم دشمن نصیری اقلیت (جو مسلمانوں کے مقابلے میں یہودیوں اور کمیونسٹوں سے زیادہ قرابت رکھتی ہے) کی جابرانہ حکومت کے خلاف اہلِ سنت کی اکثریت میں شدید اضطراب ہے۔ اخوان بہرحال اہلِ سنت کے حامی ہیں۔ چونکہ یہ ایک منظم قوت ہے لہٰذا حکومت نے اسے کچلنے کے لیے قتل مقاتلے کا سلسلہ شروع کیا۔ اور جھوٹے الزامات میں اُن کے بڑے بڑے گروہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ایک شکل یہ ہے کہ اخوان اور اہلِ سنت دونوں مسلم دشمن جابر اقلیت کے ہاتھوں خوشی خوشی حوالۂ موت ہوتے رہیں۔ دوسری شکل یہ ہے کہ ایسی بے حس و حرکت قربانی کے بجائے وہ جواباً ظالم قوت کو ضرب لگائیں۔ وہاں دوسری صورت اختیار کی گئی ہے۔ فرمائیے کہ فقہا اور اتقیا کیا حکم لگائیں گے۔

اسی طرح ایک صورتِ حالات ایران میں ہے، ایک آسام میں ہے، ایک افغانستان میں ہے۔ ان جگہوں پر جو واقعات ہو رہے ہیں، اُن کا تجزیہ کر کے ہر چیز پر ایک حکم لگانا آسان نہیں رہا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے لیے ایک نئی فقہ درکار ہے جو نصوص کو برقرار رکھ کر ان کے اجتہادی انطباقات کو نئی شکل دے۔ ان مختلف حالات سے گذرنے کے لیے ایک نیا احساسِ تقویٰ درکار ہے جو طرح طرح کے الجھے احوال و شئون سے گذرتے ہوئے بھی انسان کو اسی طرح اطمینان دے سکے جیسے وہ خانقاہی ذکر و دعا میں اور تبلیغ و تدریس اور افتاء کے کاموں میں دیتا رہا ہے۔

یہ بڑے بڑے معاملات جو چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں اور جن کے اندر سے دنیا کی بڑی بڑی اسلامی تحریکات گذر رہی ہیں، آپ جب ان پر غور کریں گے اور ان پر حکم لگانے کی کوشش کریں گے تو آپ کو چھوٹے درجے کی انتخابی الجھنیں بھول جائیں گی۔

میرا مقصد یہ نہیں کہ پیچیدہ دائرے ہوں یا سادہ انتخابی دائرہ، کسی بھی جگہ خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کی جائے اور ہم نوجوان مسلمانوں کو یہ حوصلہ دلا دیں کہ وہ جو چاہیں کریں۔ خدا کی پناہ، ایسے کسی تصور سے! میرا مطلوب صرف یہ بات ہے کہ اب تک جو سکّہ بند تصوّرات چلے آ رہے تھے، اب ان سے زیادہ وسیع تصورات کی ضرورت ہے اور وسعتِ نظر اور عالی ظرفی سے، بدلتی ہوئی دنیا کے احوال کی پیچیدگیوں کو دیکھنا چاہیے۔ تبھی ہم یا ہمارے علما اس قابل ہو سکیں گے کہ نصوص کے بہتر منطوقات اور انطباقات سامنے لا سکیں اور تقویٰ کا زیادہ گہرا اور زیادہ بسیط تصور دلا سکیں۔

حال اور مستقبل کی تاریخ کی یہ وسعتِ آفاق ہمارے سامنے ہے۔ اور ہم کوشاں ہیں کہ نئی نسل غلبۂ اسلام کی کشمکش سے عہدہ برآ ہونے اور انتہائی پیچیدہ اور نادیدہ حالات میں خدا خوفی سے صحیح حکم لگانے اور اس کی پابندی کرنے کے لیے تیار ہو سکے۔

براہ کرم ہمارے قصوروں اور کوتاہیوں کا حساب لگانے اور پھر ہم سے نفرت کرنے کے بجائے پیش آمدہ بھاری ذمہ داریوں اور مشکل مراحل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہماری کاوشوں اور فکرمندیوں اور مساعی کو دیکھ کر ہمیں نگاہِ شفقت و رحم سے بھی دیکھیے۔ ہم طوفان زدگان کے سامنے روایتی سبکسارانِ ساحل والا معاملہ نہ کیجیے۔

۹ — مولانا مودودی اور ان کے متاثرین کی جتنی بھی غلطیاں کوئی پکڑتا اور اچھالتا رہے، ان کا کیا ہوا اصل بڑا کام ایسا ہے کہ اس سے بڑی کوئی نیکی آس پاس مجھے دکھائی نہیں دیتی۔

انھوں نے دعوتِ دین کو اس انداز سے پیش کیا کہ ایک طرف مغرب زدگی کا طلسم ٹوٹنے لگا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری طرف جامد مذہبیت سے آگے تحریکی تصورِ اسلام کی راہیں واضح ہوئیں ۔ نتیجہ یہ کہ بے شمار لوگ متاثر ہوئے، متحرک ہوئے، ذہن و کردار کے لحاظ سے تبدیل ہوتے ۔ جو نسل ان کے دورِ شباب میں اُٹھ رہی تھی پہلے وہ کھنچ کر آئی ۔ بعد میں موجودہ دور کی زیرِ تعلیم نئی نسل فسق و فجور کے ماحول اور آمریت و فتنہ گری کے طوفان کے باوجود دینِ حق کی راہ پر گامزن ہو رہی ہے ۔

آپ کو تو ضرور اس کا اندازہ ہوگا کہ مودودی صاحب سے متاثرین نے کتنی قربانیاں دی ہیں اور کتنی مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا ہے ۔ آج بھی یہ عناصر قبولِ حق، ترکِ مفاد، تحمل شدائد، مالی ایثار اور فروغِ دعوت کے لیے جان ماری کے لحاظ سے ایک اچھی مثال پیش کر رہے ہیں ۔ ان کی نگاہیں اتنی وسیع ہیں کہ وہ نہ صرف اپنے قریبی معاشرے میں اُٹھنے والے ہر فتنے کو محسوس کر لیتے رہے اور ہر متحرک شخصیت اور گروہ کے مقام کا اندازہ کر لیتے رہے ہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی مختلف قوموں، تحریکوں نظریات اداروں، سازشوں اور فتنوں کی شناخت کرنے کے اہل ہیں ۔ بات صرف علم و شناخت تک ہی محدود نہیں، وہ غلط عوامل اور محرکات کا مقابلہ کرتے ہیں اور ان کا ایک مستقل محاذ مخالفِ اسلام تحریکوں کے خلاف ملک ملک میں کام کر رہا ہے ۔ اس متحرک مجاہدانہ قوت کے پاس لٹریچر کی قوت ہے تنظیمی قوت ہے، اس کے جا بجا مختلف انداز کے ادارات ہیں، اور یہ سب کچھ پورے عالمِ اسلام کے لیے سرمایۂ افتخار ہے ۔

ملت کا یہ ایسا اگلا مورچہ ہے کہ جس کی جانفشانیوں کی وجہ سے پیچھے کے تمام مذہبی حلقوں اور گروہوں اور اداروں کو زیادہ قدر و قیمت حاصل ہے ۔ قدر و قیمت ہی نہیں، تحفظ بھی حاصل ہے مخالفِ اسلام عالمی قوتیں اور ملکی حکومتیں ہمیشہ اگلے مورچے پر یورش کرتی ہیں، جس پر متحرک سپاہی موجود ہیں ۔ اس اگلے مورچے پر اگر پیچھے سے شبخون مارے جائیں گے تو پھر براہِ راست ہر مذہبی دارہ اور گروہ زد میں آئے گا ۔

پس قدر کیجیے اس دینی فکر اور عملی تحریک کی جس کی وجہ سے ملت کی نگاہیں ایک روشن نصب العین پر مرتکز ہوئی ہیں اور نوجوانوں میں حالات کی سنگینی کے باوجود اُمید اور عزم و حوصلہ ہے ۔ اگر بار بار اگلے مورچے کے افراد کو آپ بے دینی اور انحراف اور عدمِ تقویٰ کے طعنے دیتے رہیں گے تو ملت کی اُمیدوں اور حوصلوں کو کچل دینے کا سبب بنیں گے ۔ کبھی نیتوں پر حملہ، کبھی یہ الزام کہ مقصد بدل گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے یا مزاج بدل گیا ہے، کبھی یہ بحث کہ دینی تحریک سیاست زدہ ہوگئی ہے، کبھی یہ نزاع کہ انتخابات کی شکست اخلاقی زوال کا باعث ہے اور اس کے ذریعے حاصل کچھ نہیں ہوگا، غرضیکہ اقامتِ دین کے لیے سعی کرتے ہوئے نوجوانوں کو الجھنوں میں ڈالنے اور عوام میں ایک اچھے بھلے کام کے خلاف شکوک و شبہات کے بیج بونے سے کوئی خدمتِ اسلام تو ہو نہیں سکتی۔ کسی بھی شخص یا گروہ یا ادارے کا ناپ تول کرنا ہو تو دیانت داری سے اس کی خدمات اور اس کی کوتاہیوں یا لغزشوں کو میزانِ عدل کے دونوں پلڑوں پر رکھیے اور پھر بتایئے کہ پلڑا کدھر جھکتا ہے، ورنہ یہ طرزِ فکر تو منصفانہ نہیں۔ ؏

کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا۔

۱۰۔ ہماری اور دوسروں کی ہزار لغزشوں اور کوتاہیوں سے بڑا گناہ اُمتِ محمدیہ میں افتراق پیدا کرنا ہے۔ یہ دور جبکہ معاند قوتیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر ہر تدبیر و اقدام اختیار کر رہی ہیں۔ اس میں مسلم گروہوں کا ایک دوسرے کے خلاف جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہونا علامتِ خیر نہیں۔ آج تو پانی گلے گلے آچکا ہے۔ مخالف قوتیں مسلمانوں کے اُبھار کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کرنا چاہتی ہیں۔ فلپائن، اریٹیریا، فلسطین، اوگاڈین، افغانستان، آسام اور کشمیر میں مسلم دشمن قوتیں ہر قسم کے مظالم توڑ رہی ہیں۔ ایسے میں تو چاہیے تھا کہ ہمارے تمام گروہوں کے اکابر مل بیٹھتے اور طے کرتے کہ آپس کی معرکہ آرائیاں ختم، اب ساری قوت اسلام دشمن اور مسلم دشمن قوتوں کے خلاف متحد ہو کر صرف کی جائے گی۔ اس کے لیے نہ تو اہلِ علم کاوش فرما رہے ہیں اور نہ اہلِ تقویٰ کوئی کوشش کر رہے ہیں۔ بلکہ اُلٹا جو قوت پیش پیش ہو کر معرکہ آرا ہے، اسی کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کے لیے نیک لوگ کوشاں ہیں جیسے کہ سارا تقویٰ اسی کارنامے میں رکھا ہو۔

ذرا بنگلہ دیش بننے سے پہلے کے واقعات کی یاد تازہ کیجیے۔ آخری مرحلہ وہ تھا جب کہ کمیونسٹ، ہندو، سیکولر مزاج کے مسلمان بھارتی حکومت اور فوج کی پشت پناہی سے دینی قوتوں کو تباہ کرنے کے لیے میدان میں اُتر گئے تھے۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے صرف ایک دینی قوت اور ایک سیاسی قوت آگے بڑھی، بقیہ اہلِ دین کنارہ کش رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب مخالفوں کے چھرے اور گولیاں حرکت میں آئیں تو انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ کون نعیم صدیقی اور کون وصی مظہر ہے بلکہ صرف یہ دیکھا کہ دینی مزاج کا آدمی کون ہے اور دینی کام میں کون کون نمایاں ہے۔ نہ اس پوزیشن سے تبلیغی جماعت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرات نہ بچے، نہ کوئی امام مسجد اور مؤذن — اِلّا یہ کہ کسی نے باتو دوسروں سے مل کر جوابی محاذ آرائی کی ہو یا فرار کا راستہ نکال لیا ہو۔

مَیں کہتا ہوں کہ اگر یہی متفرق دینی قوتیں متحد ہوتیں تو جیا ہے وہ معرکہ آرائی میں مٹ جائیں مگر مخالفِ دین قوت کو وہ سبق سکھا دیتیں کہ پھر کبھی ایسی جرأت نہ ہوتی۔

یہ تو ہے ماضی کی بات جس نے حسرت کی شکل اختیار کر لی ہے۔ سوچنا چاہیے مستقبل کے متعلق کہ آیا حوادث کے نئے ریلوں کا مقابلہ شانِ افتراق کے ساتھ کرنا ہے یا متحد قوت بن کر۔ اگر اتحاد کی دینی اہمیت سمجھ میں آسکے تو اس کا اصل الاصول یہ ہے کہ ایمانیات میں جو عناصر کوئی بنیادی اختلاف نہیں کرتے ہیں۔ اور نہ ضروریاتِ دین میں سے کسی کے منکر ہیں اُن کو مسلم سمجھ کر بات کی جائے اور عبارتوں اور لفظوں کی ہیر پھاڑ کر کے خواہ مخواہ کے الزامات اُن پر نہ چپکائے جائیں۔ جماعتیں، ادارے، مدرسے، فقہی تصورات اور معیاراتِ تقویٰ الگ الگ رکھ کر بھی آپ دفاعِ ملت اور اقامتِ دین کے کام میں جتنا جتنا ممکن ہو تعاون کر سکتے ہیں۔ کسی جزء میں آپ تعاون نہ کر سکیں تو نہ سہی، لیکن من حیث المجموع جادہ حق پر ہمقدم ہو کر چلنا چاہیے۔ یہ نہیں تو پھر دو چار جزیرہ ہائے تقویٰ کے علاوہ اسلام صرف وہاں ملے گا جہاں جزیروں کے حاکموں کی مہر کردہ دستاویز پہنچے گی۔ پھر اپنے سوا سب کی کھل کر تکفیر کیجیے تاکہ اس مشغلے کے نتائج بھی بھرپور طور پر آپ کو ملیں۔ اگر دلوں میں نفرتوں کی بھاپ بھری ہوئی ہو، کبرِ علم و زہد ذہن پہ مسلط ہو تو پھر اتحاد بین المسلمین کا کام ہو چکا۔

مَیں اپیل کرتا ہوں کہ ہم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابل میں حسد یا کبر کے جذبات نہیں رکھنے چاہییں، ہم سب مسلمان ہیں، ہمارا مقصد غلبۂ اسلام ہے اور ہم مخالفِ اسلام عالمی محاذ کا مقابلہ کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔

اُمید ہے کہ میرا طرزِ فکر اِن گذارشات سے واضح ہو گیا ہوگا۔

"اشارات" میں جو بحث آرہا ہے وہ ایک پہلو کی بات ہے، اور آپ نے جو قضیہ اُٹھایا ہے، وہ اس کے برعکس دوسرے پہلو سے متعلق ہے۔ ان دونوں دائروں میں جو خیالات میں دے رہا ہوں، اُن کو باہم دگر ٹکرایا نہ جائے بلکہ ان کو ہم آہنگ کر کے پڑھا جائے۔ ایک طرف میری گفتگو یہ ہے کہ دین کے اصولوں اور اخلاق کی قدروں کو غالب رہنا چاہیے اور بنیادی دعوتِ اسلامی کے کام کو مستقلاً اہمیت دینی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[illegible] سیاست اور رعایا
کا ترک درست نہیں ہے۔ نیز جو پیچیدگیاں دینداری اور انتخابی سیاست کو اکٹھا کرنے سے پیدا ہوتی
[illegible]
[illegible]
[illegible] ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔ [1]

---

[1] ایک اور صاحب نے اشاعتی میدان میں گھی کا چراغ جلایا ہے۔ مگر ان چراغوں میں روشنی نہ رہے گی۔

© rasailojaraid.com